مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

زیرِنظر کتاب ''میلاد النبی ﷺ'' مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی دو تقریروں پر مشتمل ہے۔
مولانا نے پہلی تقریر آل انڈیا ریڈیو، لاہور کے لیے لکھی تھی، جو ۳۰ر مارچ ۱۹۴۲ء کو وہاں سے نشر ہوئی اور دوسری تقریر کو ۱۲ر ربیع الاول کی مناسبت سے دارالاسلام، پٹھان کوٹ میں خطبہ جمعہ کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ پہلی تقریر ماہنامہ ترجمان القرآن کے اپریل ۱۹۴۲ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی اور دوسری اس کے بعد کے شمارے میں۔
کتاب کی افادیت اور مقبولیت کے پیش نظر اسے کمپیوٹر کی کمپوزنگ اور ڈیمائی سائز پر شائع کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ یہ تبدیلی اس کی مزید مقبولیت کا باعث ہوگی۔

(ادارہ)

اس سے کچھ بہتر حالت دنیا کے دوسرے ملکوں کی نہ تھی۔ ایران اور مشرقی رومی سلطنت اس وقت انسانی تہذیب کے سب سے بڑے گہوارے تھے اور ان دونوں کو ایک طرف آپس کی پیہم لڑائی اور دوسری طرف خود گھر کے معاشی امتیازات، معاشی ناہمواری اور مذہبی جھگڑوں نے تباہ کر رکھا تھا۔ ان حالات میں محمد ﷺ اٹھے اور ۲۳ برس کے اندر انہوں نے نہ صرف عرب کو بدل ڈالا بلکہ ان کی رہ نمائی میں عرب سے جو تحریک اٹھی تھی، اس نے ایک چوتھائی صدی کے اندر ہندستان کی سرحدوں سے شمالی افریقہ تک دنیا کے ایک بڑے حصے کو اخلاق، تمدن، معیشت، سیاست غرض ہر شعبۂ زندگی کو درست کر کے رکھ دیا۔

یہ اصلاح کیوں کر ہوئی؟ ایک مختصر گفتگو میں اس کی ساری تفصیلات بیان کرنا ناممکن ہے۔ لیکن اس کے موٹے موٹے اصول میں آپ کے سامنے بیان کروں گا۔

سب سے پہلی چیز جس پر انہوں نے زور دیا، یہ تھی کہ تمام انسان صرف خدائے واحد کو اپنا آقا، مالک، معبود اور حاکم تسلیم کریں۔ خدا کے سوا اور کسی کی بندگی قبول نہ کریں اور صرف مذہب کے محدود دائرے ہی میں نہیں بلکہ زندگی کے سارے معاملات میں تنہا خدا کے اقتدارِ اعلیٰ کے سامنے جھک جائیں۔ اس کے ساتھ دوسری اہم چیز ان کی تعلیم میں یہ تھی کہ انسان کی مطلق العنانی اور غیر ذمہ داری کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ ہر انسان فرداً فرداً اپنے آپ کو خدا کے سامنے جواب دہ سمجھے اور اسی طرح انسانی جماعتیں بھی خواہ خاندانوں اور قبیلوں کی شکل میں ہوں، خواہ طبقات کی شکل میں، قوموں کی شکل میں ہوں یا حکومتوں اور ریاستوں کی شکل میں۔ بہر حال سب اپنے آپ کو خدا کے سامنے ذمے دار اور جواب دہ سمجھیں۔ محمد ﷺ نے انسان کا تصور ہی یہ پیش کیا کہ وہ زمین پر خدا کا خلیفہ یا نائب ہے۔ اس کو جس قدر اور جس حیثیت میں بھی کچھ اختیارات حاصل ہیں، دراصل وہ اس کے ذاتی اختیارات نہیں ہیں، بلکہ خدا کے دیے ہوئے ہیں اور ان کے استعمال میں وہ بالآخر خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

خدائی اقتدارِ اعلیٰ اور انسانی خلافت کی بنیاد پر محمد ﷺ نے نوعِ انسانی کے درمیان منصفانہ وحدت و اتفاق کا وہ رشتہ فراہم کیا، جو کسی دوسرے ذریعے سے پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ نسل، نسب، زبان، رنگ، وطن، معاشی مفاد اور دوسری جتنی چیزیں سوسائٹی کی بنیاد بنتی ہیں، وہ لازمی

میلاد النبی ﷺ

(۱)

آج اس عظیم الشان انسان کا جنم دن ہے، جو زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے لیے رحمت بن کر آیا تھا اور وہ اصول اپنے ساتھ لایا تھا، جن کی پیروی میں ہر فرد انسانی، ہر قوم وملک اور تمام نوع انسان کے لیے یکساں فلاح اور سلامتی ہے۔ یہ دن اگر چہ ہر سال آتا ہے، مگر اب کی سال یہ ایسے نازک موقعے پر آیا ہے، جب کہ زمین کے باشندے ہمیشہ سے بڑھ کر اس دانائے کامل کی رہ نمائی کے محتاج ہیں۔ معلوم نہیں مسٹر برنارڈ شا نے اچھی طرح جان بوجھ کر کہا تھا یا بے جانے بوجھے، مگر جو کچھ انہوں نے کہا وہ بالکل سچ تھا کہ ''محمد اس وقت دنیا کے ڈکٹیٹر ہوتے تو دنیا میں امن قائم ہو جاتا۔'' میں اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ محمد ﷺ دنیا میں موجود نہ سہی، ان کے پیش کردہ اصول تو بے کم وکاست موجود ہیں۔ ان کے اصولوں کو بھی اگر ہم راست بازی کے ساتھ ڈکٹیٹر مان لیں تو وہ سارے فتنے ختم ہو سکتے ہیں، جن کی آگ سے آج نسل انسانی کا گھر جہنم بنا ہوا ہے۔

اب سے چودہ سو برس پہلے جب محمد ﷺ نے دنیا میں قدم رکھا تھا، اس وقت خود ان کا وطن اخلاقی پستی، بدنظمی اور بدامنی کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ قرآن میں اس وقت کی حالت پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا گیا ہے:

وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ؕ (آل عمران: ۱۰۳)

''تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔''

طور پر انسانوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر کے ایک دوسرے کا مدمقابل بنا دیتی ہیں۔ ان میں اگر موافقت ہوتی بھی ہے تو اغراض کی بنا پر ایک ناپائیدار عارضی موافقت ہوتی ہے۔ کش مکش اور جنگ اس تقسیم کی عین فطرت ہے اور اس کا لازمی نتیجہ بے انصافی ہے۔ اس کو دور کرنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں کہ تمام انسانوں کو خدا کی بندگی پر متحد کیا جائے اور خدا کے سامنے جواب دہ ہونے کا احساس پیدا کر کے انصاف پر آمادہ کیا جائے۔

قومیت اور طبقات کے بجائے خدا کی بندگی اور خلافت کے تصور پر جس عالم گیر سماجی زندگی کی بنیاد محمد ﷺ نے رکھی، اس کے ہر پہلو کو انہوں نے پایہ دار اخلاقی اصولوں پر ڈھال دیا۔ ان کے اخلاقیات، تارک الدنیا درویشوں کے لیے نہیں تھے، بلکہ دنیا کا کام چلانے والے لوگوں کے لیے تھے۔ کسان، زمین دار، مزدور، کارخانے دار، تاجر، خریدار، پولیس مین، مجسٹریٹ، کلکٹر، جج، گورنر، سپاہی اور سپہ سالار، وزیر اور سفیر ہر ایک کو اس کے دائرۂ عمل میں انہوں نے اخلاق کے ایسے ضابطوں سے باندھ دیا، جن کی بندشوں کو کھولنا اور کسنا، جس کے اصولوں کو بنانا اور بگاڑنا، افراد یا عامۃ الناس کی خواہشوں پر منحصر نہیں تھا۔ انہوں نے معاشرت اور شخصی تعلقات کو آرٹ اور ادب کو، کاروبار اور لین دین کو، سیاست اور انتظام ملکی کو، بین الاقوامی تعلقات اور صلح و جنگ کو، غرض انسانی زندگی کے سارے معاملات کو اخلاق کا پابند بنایا اور جو چیز بھی انسانی زندگی سے تعلق رکھتی ہو، اس کا یہ حق تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ وہاں اخلاق کی پابندیوں سے آزاد ہو کر نشو و نما پائے۔

یہ وہ بڑے بڑے اصول ہیں، جن پر محمد ﷺ کا اصلاحی پروگرام مبنی تھا۔ اس پروگرام کو عمل میں لانے کے لیے انہوں نے جو طریقہ اختیار کیا وہ انفرادی اصلاح سے شروع ہوتا تھا۔ ان کی نگاہ سے یہ بات پوشیدہ نہ تھی کہ اجتماعی اصلاح کے ہر نقشے کا دار و مدار بالآخر افراد ہی پر ہے۔ کوئی بہتر سے بہتر کام بھی کمزور کیرکٹر اور ناقابل اعتماد سیرت کے لوگوں کو لے کر کامیابی کے ساتھ نہیں چلایا جا سکتا۔ افراد کی سیرت کی خامیوں سے ایک نظام کے عمل درآمد میں جو رخنے اور شگاف پڑتے ہیں، انہیں کاغذ پر نہیں بھرا جا سکتا۔ کاغذ کی دنیا میں ان کاغذی خرابیوں کے سد باب کا جس قدر چاہیں خیالی انتظام کر لیں، لیکن عمل کی دنیا میں اس کاغذی نقشے کو چلانے کا انحصار جن افراد پر ہے، وہ اگر خواہشات، اغراض اور تعصبات سے شکست کھا جانے والے لوگ ہوں، ان میں اگر سچا ایمان اور پختہ کیرکٹر نہ ہو تو آپ کی ساری خیالی احتیاطوں کے باوجود اس نظام میں

رخنے پڑیں گے اور ایسی ایسی جگہوں سے پڑیں گے، جہاں آپ کا تصور بھی نہ جا سکے گا۔ بخلاف اس کے کاغذ پر ایک نظام کو دیکھ کر آپ اس میں بہت سے رخنوں کا امکان ثابت کر سکتے ہیں، لیکن اس کو چلانے کے لیے اگر بھروسے کے قابل افراد موجود ہوں تو ان کا صحیح عمل ان سارے رخنوں کو بھر دے گا، جن کے رونما ہونے کا امکان عالم خیال میں آپ کو نظر آتا ہو۔

اسی بنا پر محمد ﷺ نے پہلے اپنی ساری قوت ایسے افراد کو تیار کرنے میں صرف کی جو ان کے پروگرام کے مطابق بہترین طریقے پر دنیا کی اصلاح کر سکتے ہوں۔ انہوں نے ایسے لوگ تیار کیے، جو ہر حال میں خدا سے ڈر کر بدی سے پرہیز کرنے والے ہوں، جو اپنی زندگی کے ہر معاملے میں خدا کے سامنے اپنی ذمے داری کو پیش نظر رکھنے والے ہوں، جو ہر اس کام سے رکنے والے ہوں، جس کے متعلق انہیں خدا کی ناراضی کا اندیشہ ہو اور ہر اس کام میں دل و جان سے کوشش کرنے والے ہوں، جس کے متعلق انہیں معلوم ہو جائے کہ خدا اس سے خوش ہوگا، جنہیں خدا کی خوشنودی پر اپنی کسی چیز کو قربان کرنے میں تامل نہ ہو، جن کے دل میں خدا کے سوا کسی کا خوف، کسی کی مہربانی کا لالچ اور کسی کے انعام کی تمنا نہ ہو، جن کے لیے پبلک اور پرائیویٹ زندگی میں کوئی فرق نہ ہو، جو راز کے پردوں میں بھی اتنے ہی نیک، شریف اور پرہیز گار ہوں جتنے پبلک میں منظر عام پر نظر آئیں، جن پر یہ بھروسا کیا جا سکے کہ بندگان خدا کی جان، مال اور آبرو اگر ان کے چارج میں دے دی جائے تو خیانت کار ثابت نہ ہوں گے، اپنی ذات یا قوم و حکومت کی طرف سے کوئی عہد کریں تو بے وفا نہ نکلیں گے، انصاف کی کرسی پر بٹھائے جائیں تو ظالم نہ پائے جائیں گے، لین دین کے بازار میں بیٹھیں تو بدمعاملگی نہ کریں گے، حق مانگنے میں خواہ سست ہوں مگر حق ادا کرنے میں سست نہ ہوں گے۔ اپنی ذہانت، ہوشیاری، تدبر اور قوت و قابلیت کو راستی اور انصاف کے لیے اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کریں گے نہ کہ شخصی یا قومی اغراض کی خاطر دوسروں کو بے وقوف بنانے اور دوسروں کے حق تلف کرنے کے لیے۔

کامل پندرہ سال ایسے افراد کی تیاری میں صرف کر کے محمد ﷺ نے حق پرستوں کی ایک مٹھی بھر جماعت تیار کی، جو صرف عرب کے لیے نہیں، بلکہ تمام دنیا کی اصلاح کے لیے سچا عزم رکھتی تھی اور جس میں عرب کے علاوہ دوسری قوموں کے بھی افراد شامل تھے۔

اس جماعت کو منظم کرنے کے بعد انہوں نے وسیع پیانے پر سماج کی اصلاح کے لیے عملی جدوجہد شروع کی اور صرف آٹھ برس میں پندرہ لاکھ مربع میل پھیلی ہوئی سرزمین عرب کے اندر مکمل اخلاقی، معاشی، تمدنی اور سیاسی انقلاب برپا کر کے رکھ دیا۔ پھر وہی جماعت جسے انہوں نے منظم کیا تھا، عرب کی اصلاح سے فارغ ہو کر آگے بڑھی اور اس نے اس زمانے کی مہذب دنیا کے بیش تر حصے کو اس انقلاب کی برکتوں سے مالا مال کر دیا جو عرب میں رونما ہوا تھا۔ آج ہم نئے نظام (نیو آرڈر) کی آوازیں ہر طرف سے سن رہے ہیں، لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ جن بنیادی خرابیوں نے پرانے نظام کو آخر کار فتنہ بنا کر چھوڑا وہی اگر صورت بدل کر کسی نئے نظام میں موجود ہوں تو وہ نیا نظام کب ہوا؟ وہ تو وہی پرانا نظام ہوگا، جس کے کاٹنے اور ڈسنے سے جاں بلب ہو جانے کے بعد ہم نئے نظام کا تریاق مانگ رہے ہیں۔ انسانی اقتدار اعلیٰ خدا سے بے نیازی و بے خوفی، قومی و نسلی امتیازات، ملکوں اور طبقوں کی سیاسی و معاشی خود غرضیاں اور خدا ناترس افراد کا دنیا میں برسر اقتدار ہونا یہ ہیں وہ اصلی خرابیاں جو اس وقت تک نوع انسانی کو تباہ کرتی رہی ہیں اور آیندہ بھی اگر ہماری زندگی کا نظام ان ہی خرابیوں کا شکار رہا تو یہ ہمیں تباہ کرتی رہیں گی۔ اصلاح اگر ہو سکتی ہے تو انہیں اصولوں پر ہی ہو سکتی ہے جن کی طرف انسانیت کے ایک سچے بہی خواہ نے اب سے صدیوں پہلے محض ہماری رہ نمائی ہی نہ کی تھی، بلکہ عملاً اصلاح کر کے دکھا دی تھی۔

(ترجمان القرآن، اپریل ۱۹۴۲ء)

(۲)

آج کا دن دنیا کے لیے ایک بڑی برکت کا دن ہے، کیوں کہ یہی تاریخ تھی جس میں ساری دنیا کے رہ نما حضرت محمد ﷺ دنیا میں تشریف لائے۔ اگر چہ شریعت میں حضور ﷺ کے یوم پیدائش کو عید قرار نہیں دیا گیا ہے اور نہ اس کے لیے کسی قسم کے مراسم مقرر کیے گئے ہیں، لیکن اگر مسلمان یہ سمجھ کر، کہ یہ خدا کے سب سے بڑے نبی اور دنیا کے سب سے بڑے ہادی کی پیدائش کا دن ہے اور یہ وہ دن ہے جس میں انسان کے لیے خدا کی سب سے بڑی نعمت ظہور میں آئی۔ اس کو عید کی طرح سمجھیں تو کچھ بے جا نہیں ہے۔ البتہ اس عید کے منانے کی یہ صورت نہیں کہ خوب کھاؤ پیو، چراغاں کرو، جلوس اور جھنڈے نکالو اور محض اپنی دل لگی کے لیے فضول نمایشی کام کرنے لگو۔ ایسا کرو گے تو تم میں اور جاہل قوموں میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ جاہل قومیں بھی اپنی تاریخ کے بڑے بڑے واقعات کی یاد میلوں، ٹھیلوں اور جلوسوں سے مناتی ہیں۔ اگر تم نے بھی ان کے میلوں اور تیوہاروں کی نقل اتاری تو جیسے وہ ہیں ویسے ہی تم بھی بن کر رہ جاؤ گے۔ اسلام نے تو یادگار منانے کے لیے نیا ہی ڈھنگ نکالا ہے۔ سب سے بڑی یادگار حضرت ابراہیمؑ کی قربانی ہے، جسے منانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے عید الاضحیٰ کی نماز اور قربانی اور حج وطواف کا طریقہ مقرر کیا ہے۔ اس پر تم غور کرو تو اندازہ کر سکتے ہو کہ مسلمان کو اپنی تاریخ کے بڑے بڑے واقعات کی یاد کس طرح منانی چاہیے۔ تم کو سوچنا چاہیے کہ ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ کس لحاظ سے تمہارے لیے اہمیت رکھتی ہے۔ اس لحاظ سے نہیں کہ عرب کے ایک شخص کے گھر میں آج ایک بچہ پیدا ہوا تھا، بلکہ اس لحاظ سے کہ آج اس پیغمبر اعظم کو خدا نے زمین پر بھیجا جس کے ذریعے سے انسان کو خدا کی معرفت حاصل ہوئی، جس کی بدولت انسان نے حقیقت میں انسان بننا سیکھا، جس کی ذات تمام جہان کے لیے خدا کی رحمت تھی اور جس نے روے زمین پر ایمان اور عمل صالح کا نور پھیلایا۔ پس جب

اس تاریخ کی اہمیت اس لحاظ سے ہے تو اس کی یادگار بھی اس طرح منانی چاہیے کہ آج کے روز حضور ﷺ کی تعلیم اور دنوں سے زیادہ پھیلاؤ۔ آپ کے اخلاق اور آپ کی ہدایات سے سبق حاصل کرو اور کم از کم آپ کی تعلیم کا اتنا چرچا تو کرو کہ سال بھر تک اس کا اثر باقی رہے۔ اس طرح یادگار مناؤ گے تو حقیقت میں یہ ثابت ہوگا کہ تم یوم میلاد النبی کو سچے دل سے عید سمجھتے ہو اور اگر صرف کھا پی کر اور دل لگیاں ہی کر کے رہ گئے تو یہ مسلمانوں کی سی عید نہ ہوگی، بلکہ جاہلوں کی سی عید ہوگی، جس کی کوئی وقعت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں فرمایا ہے کہ ہم نے جو نبی بھیجا ہے، اسی لیے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ اس لحاظ سے بھی حضور ﷺ کی اطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے، کیوں کہ آپ بھی اللہ کے نبی ﷺ ہیں۔ لیکن اس عام حکم کے علاوہ اللہ نے خاص احکام مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ کے بارے میں دیے ہیں:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمران: ۳۱)

(اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا بھی تم سے محبت کرے گا)

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ (النور: ۵۱)

(مومنوں کا کام تو یہ ہے کہ جب ان کو خدا اور رسول کی طرف بلایا جائے تا کہ رسول ان کے معاملات میں فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ (الاحزاب: ۳۶)

(اور کسی مومن مرد اور عورت کا کام یہ نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دے تو پھر وہ خود اپنے اختیار سے اس معاملے میں کوئی حکم لگائیں، جس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی راہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

(النساء: ۶۵)

(ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اپنے جھگڑوں کا فیصلہ تجھ پر نہ چھوڑ دیں اور پھر جو فیصلہ تو کرے اس پر اپنے دل میں وہ برا نہ مانیں، بلکہ سیدھے سیدھے طریقے سے اس کے آگے سر جھکا دیں)

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ (النور:۶۳)

(جو لوگ نبی ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ فتنے میں نہ پڑ جائیں۔ تمہارا یہ کام نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو اذیت پہنچاؤ)

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ (الاحزاب: ۵۳)

(تمہارا یہ کام نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو اذیت پہنچاؤ)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (الاحزاب:۵۷)

(بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا و آخرت دونوں میں لعنت بھیجے گا)۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (النور:۶۳)

(رسول کی بات کو تم ایسا نہ سمجھ لینا جیسے آپس میں تمہاری ایک دوسرے کی بات ہوتی ہے)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِىِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ (الحجرات:۲)

(اے ایمان والو! نبی کی آواز کے مقابلے میں آواز بلند نہ کرو اور اس سے اس طرح سختی کے ساتھ بات نہ کرو جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے کر جاتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سب اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو)

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ (المجادلة:۲۲)

(تم کہیں ایسے لوگ نہ پاؤ گے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان بھی رکھتے ہوں اور پھر ایسے لوگوں سے دوستی بھی کریں جو اللہ اور رسول کے دشمن ہوں، چاہے وہ ان کے باپ اور بیٹے اور بھائی اور رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں)

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآءُکُمْ وَاَبْنَآءُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسَاکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط (التوبہ: ۲۴)

(اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ تمہیں اپنے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور رشتے دار اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے نقصان کا تم کو خوف ہے اور وہ گھر بار جو تمہیں پسند ہیں اللہ اور اس کے رسول اور راہِ خدا میں جہاد کی بہ نسبت زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو اس وقت کا جب اللہ اپنا فیصلہ سنائے گا)

اس مضمون کی ساری آیتیں یہاں بیان کرنا مشکل ہے۔ میرا مقصد صرف اس قدر ہے کہ آپ مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ سمجھیں کہ آپ کا اور حضور نبی ﷺ کا تعلق کیا ہے۔ یہ بات ان چند آیتوں سے معلوم ہو گئی جو میں نے آپ کو سنائی ہیں۔ ان سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ کوئی شخص مسلمان ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ رسول ﷺ کی فرماں برداری نہ کرے۔ اگر حضور ﷺ کوئی حکم دے دیں اور اس کے جواب میں آدمی کہے کہ میں اس کو نہیں مانتا تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ دل میں ایمان ہی نہیں رکھتا۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ حکم سنے اور سیدھی طرح سر جھکا دے، چون و چرا کے ساتھ ایمان نہیں رہ سکتا۔

اچھا اب سنتے جایئے کہ حضور ﷺ نے خدائے تعالیٰ کی طرف سے آپ کو کیا احکام دیے ہیں۔ پھر ہر شخص اپنی اپنی جگہ سوچتا جائے کہ وہ کتنا مسلمان ہے اور کتنا ایمان اپنے دل میں رکھتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ.

(مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں یعنی جو نہ زبان سے اپنے مسلمان بھائیوں کو تکلیف دے اور نہ ہاتھ سے)

آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبُّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ.

(جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے)

حضرت ابوذر غفاریؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص سے میرا کچھ جھگڑا ہوگیا اور میری زبان سے ماں کی گالی نکل گئی۔ حضور ﷺ نے سن لیا اور فرمایا: ''انك امرأ فيك جاهلية'' (تم میں اب تک جاہلیت کا اثر باقی ہے پوری طرح اسلام نہیں آیا)۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ منافق کی چار خصلتیں ہیں جس میں وہ چاروں موجود ہوں وہ پورا منافق ہے اور جس میں کوئی ایک خصلت ہو، اس میں ایک حصہ نفاق کا وہ بھی ہے۔ پہلی خصلت یہ ہے کہ جب اس پر بھروسا کر کے کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے، دوسری خصلت یہ ہے کہ جب وہ بات کرے تو اس میں جھوٹ ضرور ملائے، تیسری خصلت یہ ہے کہ جب وہ کسی سے وعدہ یا عہد و پیان کرے تو اس سے پھر جائے، چوتھی خصلت یہ ہے کہ جب کسی سے اس کا جھگڑا ہو تو وہ بدکلامی پر اتر آئے یا اپنے مخالف کو ناجائز طریقوں سے نیچا دکھانے کی کوشش کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ اَخُوا الْمُسْلِمِ لاَ يَظْلِمُهٗ وَلاَ يُسْلِمُهٗ وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُّسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرُبَاتِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

(مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ خود نہ اس پر ظلم کرے گا اور نہ اس کو کسی ظالم کے حوالے کرے گا جو شخص اپنے کسی بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہو۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کی حاجت پوری کرنے میں لگ جاتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کو مصیبت سے بچائے گا۔ اللہ اس پر روز حشر کی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف کم کردے گا، اور جو شخص کسی مسلمان کا عیب چھپائے گا اللہ بھی قیامت کے روز اس کا عیب چھپائے گا)

حضور ﷺ نے فرمایا:

''اپنے بھائی کی مدد کرو۔ خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔'' صحابہؓ نے پوچھا: یارسول اللہ! ہم مظلوم کی مدد تو کریں گے، مگر ظالم کی مدد کیسے کریں؟ فرمایا: اپنے ظالم بھائی کی مدد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لو، تاکہ وہ ظلم نہ کرسکے۔'' ایک اور موقع پر فرمایا:

اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ.

(مظلوم کی بددعا سے ڈرو، کیوں کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے)

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جس نے اپنے کسی بھائی کی حق تلفی کی ہو یا اس کی عزت یا اس کے مال، یا کسی اور چیز کو نقصان پہنچایا ہو، وہ اسی دنیا ہی کی زندگی میں اس کی تلافی کر دے۔ ورنہ اگر اس دن پر اٹھا رکھا جن میں روپیہ پیسہ کچھ نہ ہوگا بلکہ انسان کے پاس صرف اعمال میں سے اس کو بدلا دینا ہوگا، یا پھر مظلوم کے گناہوں میں سے کچھ بوجھ اس پر سے اتار کر ظالم پر ڈال دیا جائے گا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

جس نے کسی کی بالشت بھر زمین بھی مارلی اس کے گلے میں قیامت کے روز سات زمینوں کا طوق ڈالا جائے گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: تین گناہ سب سے بڑے ہیں۔ ایک خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا، دوسرے والدین کی نافرمانی اور ان کے حق سے بے پروائی کرنا اور تیسرے جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جبرئیل نے ہم سایہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے لیے مجھ سے اتنی بار کہا کہ مجھے شک ہونے لگا کہ کہیں ہم سایہ کو وراثت میں شریک تو نہیں کر دیا جائے گا۔''

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ شخص ہرگز ایمان نہیں رکھتا، ہرگز ایمان نہیں رکھتا جس کا ہم سایہ اس کی شرارت سے ڈرتا ہو۔'' ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص ایمان رکھتا ہو وہ اپنے ہم سایہ کو تکلیف نہ دے۔ اپنے مہمان کے ساتھ عزت سے پیش آئے اور جب زبان کھولے تو بھلائی کے لیے کھولے ورنہ چپ رہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت کے روز خدا کے ہاں بدترین آدمیوں میں سے وہ ہوگا جو دو منہ رکھتا ہو یعنی دو مخالف فریقوں میں سے ایک کے پاس جائے تو اس کی سی کہے اور دوسرے کے پاس جائے تو اس کی سی کہنے لگے۔ آدمی کے منہ پر ایک بات کہے اور پیٹھ پیچھے کچھ اور کہے۔''

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے:

بَیْنَ الْعَبْدِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ.

(آدمی اور کفر کے درمیان ترک نماز ہے)

مطلب یہ ہے کہ اسلام سے کفر تک پہنچنے کے لیے ایک درجہ بیچ میں ہے اور وہ نماز چھوڑ دینے کا

درجہ ہے۔ اگر تم نے نماز چھوڑ دی تو گویا تم کفر اور اسلام کے بیچ میں لٹکر ہے ہو۔ ایک قدم آگے بڑھے اور کفر کی حد میں پہنچ گئے۔ ایک موقعے پر حضور ﷺ نے فرمایا:

''جو لوگ اذان کی آواز سن کر گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں میرا جی چاہتا ہے کہ ان کے گھروں میں آگ لگادوں۔ نماز کی تاکید میں حدیثیں تو بہت ہیں مگر صرف یہ دو حدیثیں میں نے آپ کو سنائی ہیں، جن سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ حکم کیسا زبردست ہے، اور اس کی نافرمانی کے کیا معنی ہیں؟ یہ بات تو اس فرض کے متعلق ہے، جس سے آج کل مسلمان عام طور پر غافل ہو رہے ہیں۔ دوسری بات اس گناہ کے متعلق بھی سن لیجیے جو مسلمانوں کو سب سے زیادہ تباہ کر رہا ہے، یعنی سود۔ حضور ﷺ نے صاف فرمایا ہے کہ سود کا لینا، دینا، اس کی دستاویز لکھنا اور اس پر گواہی دینا سب حرام ہیں اور ان میں سے جو فعل بھی انسان کرے گا، اس کی سزا جہنم ہوگی۔''

بھائیو! عید میلاد النبی آپ مناتے ہیں، بڑی خوشی کی بات ہے مگر صرف اتنا عرض کروں گا کہ اپنے سردار کے دربار میں حاضر ہوتے وقت ذرا یہ بھی سوچ لیا کیجیے کہ کیا منہ لے کر ہم اس روح پاک کا سامنا کر رہے ہیں۔ ایک خادم سے قصور ہو جائے تو وہ اپنے صاحب کے سامنے جاتا ہوا ڈرتا ہے اور منہ چھپاتا پھرتا ہے۔ پھر کیا منہ لے کر ان کے سامنے جائیں جن کے ایک دو نہیں خدا جانے کتنے فرمانوں کی روز ہم خلاف ورزی کرتے ہیں۔